Chapter-3

باب سوم

عصمت کے افسانوں میں ہندوستانی سماج و عورت کا ارتقائی سفر:

باب سوم

عصمت کے افسانوں میں ہندوستانی سماج وعورت کا ارتقائی سفر:

افسانوں میں ہندوستانی تہذیب داستانوں کا حصہ ہیں۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن ہزارہا برس سے چلتی آرہی ہے۔ رامائن اور مہابھارت کے قصے بھی ہندوستان کی قدیم تاریخ کا حصہ ہیں۔ اس کہانیوں سے ملک کا پورا سماج متأثر ہوا ہے۔ ہندوستان کی قدیم تہذیب کی جھلکیاں سنسکرت زبان میں لکھی گئی کہانیوں میں دیکھنے ملتی ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو زبان بھی ہندوستانی تہذیب و سماج سے متأثر ہوئی۔ ''باغ و بہار''، ''داستان امیرحمزہ''، ''مذہب عشق''، ''آرائش محفل'' وغیرہ داستانوں میں ہندوستان کی تہذیبی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔

جس طرح ہم اپنے حال کا کوئی ایک ماضی رکھتے ہیں اسی طرح افسانوی ادب کی جڑیں بھی قدیم کہانی یاداستان سے ملتی ہیں۔ داستان کہیں بھی لکھی گئی ہو اس میں ہندوستان کی سرزمین کی تہذیب نظر آتی ہے۔ ہندوستانی سماج کے تہوار رسم و رواج، طور طریقے نمایاں ہوتے ہیں۔

اردو ناول کے اصلاحی دور کے فوراً بعد ہی بیسویں صدی کے شروع میں افسانے کا آغاز ہوتا ہے۔ اردو افسانے کو آغاز ہی سے تخیلی رجحان اور ارضی رجحان دونوں طریقوں سے دیکھا گیا۔ تخیلی رجحان داستان گوئی کی روایت سے منسلک تھی۔ جسمیں تخیلات کو تمام اہمیت حاصل تھی۔ داستان میں موجود معاشرے کی عکاسی کا رجحان ارضی فضا کی صورت اختیار کر گیا۔ اردو افسانہ نگار نے داستان گوئی کی اس روایت کے زیر اثر تربیت حاصل کی۔ چنانچہ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتحپوری، مجنوں گورکھپوری اور بعض دوسرے افسانہ نگاروں نے حقیقت نگاری کی بہ نسبت تخیل آفرینی کے رجحان کو اختیار کر لیا۔ حقیقت پسندی کے رجحان کے علمبردار پریم چند ہے۔ انھوں نے زندگی کے ارضی پہلوؤں اور سماج کی واضح حقیقت کو

اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ حقیقت پسندی کے رجحان کو اختیار کرکے پریم چند نے اردو افسانے کو دنیا کے عظیم افسانوی ادب کے معیار تک پہنچایا۔

اردو افسانے کا دوسرا دور ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ شروع ہوتاہے۔ اسی دور میں آزادی کی تحریک، مغربی ادب اور معاشرے کے اثرات سے اس کی ابتداء ہوئی۔ اس نئے دور نے افسانے کے لئے زمین ہموار کردی تھی تخیل کی فضا سے افسانہ نگار کو باہر نکال کر بہت سے سماجی سیاسی اور نفسیاتی موضوعات سے قریب ترکردیا تھا۔ جس میں کرشن چندر کو نمایاں شخصیت حاصل ہے۔ بیدیؔ، منٹوؔ، عصمتؔ، احمد علیؔ، حسن عسکریؔ کے افسانوں میں بھی حقیقت نگاری کا عمل عروج پر نظر آتاہے اور زندگی کے گھناؤنے پہلو ابھرکر سامنے آتے ہیں۔ منٹوؔ نے اپنے لیے ایک ایسا میدان منتخب کیا جو ایک عام قاری کے لئے بے حد دلچسپ تھا۔ اس میدان میں منٹو نے کردار کے جنسی پہلو کو اجاگر کیا تو اسے بے حد کامیابی ہوئی۔ حسن عسکریؔ نے کردار کی سوچ کا سہارا لے کر نفسیاتی مطالعہ پیش کیا۔

اردو افسانے کا تیسرا دور تقسیم ملک کے بعد شروع ہوا۔ تقسیم کے پہلے آزادی کی تحریک نے فضا میں ایک عجیب سی بے قراری اور تحرک کو جنم دیا تھا۔ آزادی کے ابتدائی دور میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر افسانہ نگاروں نے اردو وادب کو کئی قابل قدر افسانے دیئے۔ تقسیم سے پیدا شدہ مسائل اور فسادات کے موضوعات پر افسانے لکھے گئے۔ کرشن چندر نے جذباتی ردّ عمل پیش کیا۔ راجندر سنگھ بیدی نے انسان کی اندرونی زندگی کے حالات اور ہندوستانی سماج کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ انسانی روح کے کرب کی عکاسی کی اور قرۃالعین حیدر نے تہذیب کے المیے اور جلا وطنی کو تصور کے روپ میں پیش کیا۔

''وہ تقسیم کو محض ایک تاریخی واردات کے روپ میں نہیں بلکہ ایک تہذیبی سانحے اور انسانی ٹریجڈی کی شکل میں دیکھتی ہیں۔ جلاوطنی کی کیفیت ہر دور

کے انسان کو کسی نہ کسی شکل میں اس کے روحانی تجربے سے جوڑ دیتی ہے، یہ تینوں رویّے دراصل انسان اور تہذیب کے مختلف تصورات کے باعث ہیں۔ کرشن چندر نے اس سانحے کو سیاست اور جذبات کی صورت میں سمجھنے کی کوشش کی۔ بیدی نے تہذیبی حادثے اور انسانی روح کے المیےکی صورت میں اور قرۃالعین حیدر نے وجودی فلسفے کی رو سے''۔ (۱)

''جن افسانہ نگاروں کی جڑیں ہماری تہذیب، معاشرہ اور سماج میں پیوست ہیں ان میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی۔ خواجہ احمد عباس، قرۃالعین حیدر اور عصمت چغتائی وغیرہ ہیں۔ ہمارے سماج کے مروّجہ دقیانوسی اور غلط رسم و رواج کے خلاف ان ادیبوں نے نسوانی آزادی اورجنس کے صحت مند نقطۂ نظر اور جذبات کو گہرائی سے پیش کیا۔ ''ان میں عصمت چغتائی نے جنسی گھٹن، جنس کے غیر معمولی رشتوں نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی کجرویوں کو اپنے منفرد انداز میں پیش کیا''۔ (۲)

عصمت چغتائی خواتین افسانہ نگاروں میں بڑی مقبول ہوئیں۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں مخصوص معاشرے کے کرداروں کو پیش کرکے ان کی شخصیت کو بے نقاب کیا ہے۔ ہندوستانی سماج میں رہنے والی مشترکہ خاندان کی عورتوں کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ متوسط طبقے اور نچلے طبقے کی ماؤں اور بیویوں کی بد حالی کو پیش کیا ہے۔ ہندوستان کا تمدن فطرتاً مرکب انداز کا ہے لہٰذا مشترکہ خاندان کی عورتوں کے اعتقاد ، رسم و رواج، مذہبی رسوم وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب اور تمدن کے متعلق ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں :

''ہندوستانی زندگی کی یہ پیچیدگی بہت ہی قدیم ہے۔ اس لئے ابتدائے تاریخ ہی سے یہ ملک متضاد تمدنوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ اس کے اترپچھمی دروازوں سے

(۱) (پروفیسر گوپی چند نارنگ)(اُردو افسانہ روایت اورمسائل۔ مقالہ ہندوستان میں اردوافسانہ۔ ص -۶۰۳)

(۲) ایضاً ص-۶۰۴

لگاتار غول کے غول شرنارتھی اور فاتح فوجیں آتی رہیں۔ ان کے ساتھ دریائے نیل کے سیلاب کی طرح بہت کچھ تباہ کاری آئی۔ لیکن اسی کے ساتھ بہت سی زرخیز مٹی بھی آئی جس نے اس قدیم سرزمین کو مالا مال کیا اور اس سے بیش از بیش تازہ تہذیب و تمدن کی کونپلیں پھوٹتی رہیں''۔ (۱)

عصمت چغتائی نے ''بہو بیٹیاں'' ''بھابھی'' جیسے افسانوں میں ہندوستانی معاشرے کی عورتوں کا خاکہ پیش کیا ہے۔ ان کا مشاہدہ اتنا باریک ہے کہ تصوری عورت کو حقیقت میں دیکھا شادی کے بعد ہندوستانی عورت سسرال کے طور طریقے دل و جان سے اپناتی ہے۔ مشترکہ خاندان کی عورتوں کی مثال عصمت نے بھابھی، بہو، بیوی، ماں سبھی کرداروں میں بخوبی نبھائی ہیں۔ عصمت نے ''بہوبیٹیاں'' افسانے میں بڑی بھابھی کا تعارف ایسے کروایاہے :

''میری بھابھی سب سے بڑی سہی۔ مگر زیادہ عقلمند ہرگز نہیں اس نے میاں کو جھوٹے بہلاوے کبھی نہ دیئے''۔

''بھابھی کچھ ایسی ان مرحلوں میں پھنسی کہ اس نے پلٹ کر بھی بھیا کی طرف نہ دیکھا۔ جانے کہتی ہوں میں تو پہلے ساس سسر کی بہو ہوں۔ نندکی بھوجائی ہوں، بچوں کی امّاں ہوں، نوکروں کی مالک ہوں محلے ٹولے کی بہوبیٹی ہوں پھر اگر وقت ملا توتمہاری بیوی بھی جاؤں گی'' (۲)

ہندوستان میں لڑکیوں کی شادی کچھ قبائل کو چھوڑ کر زیادہ ترکم سنی میں ہی ہو جایاکرتی تھی۔ عورت کی عصمت پر بہت زور دیا جاتا اور جلدی شادی کو بڑھاوا دیا جاتا شادی کے بعد لڑکی اپنے آپ کو سسرال والوں کے حوالے کردیتی شادی سے پہلے اور بعد میں اس میں بہت فرق آنے لگتا ہے۔ ''بہو بیٹیاں'' اور''بھابھی'' میں

(۱) ڈاکٹر تاراچند۔ اسلام کاہندوستانی تہذیب پراثر ص-۱۵،۱۶۔ آزادکتاب گھر دھلی۔ ۱۹۶۶ء

(۲) (عصمت چغتائی ۔ افسانہ بہو بیٹیاں۔ ص-۲۳۳، ۲۳۴ عصمت چغتائی کے افسانے۔ جلداوّل)
کتابی دنیا دہلی۔ سن اشاعت ۲۰۰۶ء

عصمت نے عورت کے ارتقاء کی تصویر بھی دِکھائی ہے ایک بھابھی سے متعارف کراتے ہوئے لکھتی ہیں :

''میری ایک بھابھی اور ہے۔ تعلیم یافتہ کہلاتی ہے۔ کانوینٹ میں تعلیم پائی سنِ بلوغ کو پہنچی توروشن خیال والدین نے اجازت دی اس سے کہہ دیا کہ بیٹی تیری آنکھیں بھی ہیں اور ناک بھی۔ خوب ٹھونک بجاکر ایک بکرا چھانٹ لے۔ لوگ اس ہنس ہنسنی کے جوڑے کو رشک کی نگاہوں سےدیکھتے ہیں۔ میاں کا ایک اعلیٰ افسر کی بیوی سے عشق چل رہاہے اور بیوی کا اس کے ہم عصر سے مانوس ہے'' (۱)

تیسری بھابھی جو کم سنّی میں ہی بیاہ دی گئی اسکے متعلق عصمت لکھتی ہیں :

''بھابھی بیاہ کر آئی تھی مشکل سے پندرہ برس کی ہوگی۔ بھیا کی صورت سے ایسی لرزتی تھی جیسے قصائی سےگائے، بھابھی ذرا آزاد قسم کے خاندان سے تھی۔ کانوینٹ میں تعلیم پائی تھی پچھلے سال اسکی بڑی بہن ایک عیسائی کے ساتھ بھاگ گئی تھی اس لئے اسکے ماں باپ نے ڈر کے مارے جلدی سے اسے کانوینٹ سے اٹھایا اور چٹ پٹ شادی کردی''

''بھابھی آزاد فضا میں پلی تھی ہرنیوں کی طرح قلانچیں بھرنے کی عادی تھی مگر سسرال اور میکہ دونوں طرف سے کڑی نگرانی تھی اور بھیاکی بھی یہی کوشش تھی اگر جلدی سے اسے پکی گھرہستن نہ بنا دیا تو وہ بھی اپنی بڑی بہن کی طرح کوئی گل کھلائے گی۔ حالانکہ شادی شدہ تھی لہٰذا اسے گھرہستن بنانے پر جٹ گئے۔ اور چار پانچ سال کے اندر بھابھی واقعی گھرہستن بن گئی تین بچوں کی ماں بن کر بھدی اور ٹھس ہو گئی'' (۲)

---

(۱) (مزید دیکھئے۔ افسانہ بہو بیٹیاں ''عصمت کے افسانے'' جلداوّل ۲۰۰۶ء)

(۲) (عصمت چغتائی افسانہ ''بھابھی'' ص ۲۴۳۔ عصمت چغتائی کے افسانے جلداوّل۔ کتابی دنیا۔ دہلی۔ ۲۰۰۶ء

اس طرح عصمت چغتائی نے عورت کو ہندوستانی سماج میں ڈھال کر متوسط گھرانوں کے ماحول، گھٹن، جذباتی اور نفسیاتی الجھنوں کے نازک پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ''بھول بھلیاں'' ''چھوٹی آپا'' ''جنازے'' اور ''پردے کے پیچھے'' جیسی کہانیوں میں بھی اپنے ماحول کو پیش کیا ہے۔ مشترکہ خاندان، گھر پر بزرگ مستورات، حکمرانی، عداوتیں، گھریلو چاہتیں، معاشی بدحالی، فرسودہ روایات سے پیدا ہونے والے اثرات سے متاثر معاشرے کی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں۔

سماج کی بہو سے یہ توقع کی ہے کہ وہ کتنے ہی بڑے گھر کی بیٹی ہو سسرال میں سر جھکاکر گزارہ کرے۔

''امربیل'' افسانے میں عصمت نے بے جوڑ شادی اور کم سن عمر میں شادی کے بعد کم عمری میں ہونے والی بیوہ کے جذبات واحساسات کی تہذیبی روایات کے نمونے پیش کئے ہیں۔ ان ہی روایتوں میں عورت کی مظلومیت شامل ہے جواسے دوسروں کی زندگی جینے پر مجبور کرتی ہے۔

''امربیل'' کہانی میں سولہ سالہ رخسانہ بیگم کسی قسم کے باغی رویّے کا مظاہرہ نہیں کرتی بلکہ ہر صورت حال سے سمجھوتا کرتی چلی جاتی ہے مثلاً اسکی شادی چالیس سالہ شجاعت سے ہوتی ہے تو وہ اسے دل و جان سے قبول کرلیتی ہےاور پھر آخر تک وفادار بیوی بن کر اس کی خدمت بھی کرتی ہے۔ اس افسانے میں عصمت نے ہندوستانی عورت کی جو حقیقت پیش کی ہے۔ وہ آٹھویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک کے عہد کی حقیقت ہے جو شارحین اور مؤرخین عہد کہلاتاہے ۔ ڈاکٹر محمد شہزاد شمس نے اس کا ذکر کیا ہے :

''اس دور میں بھی عورت کی سماجی حالت کم و بیش عہد گذشتہ کی زبول حالی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ مگر چند خواتین ، جن میں راجپوت، سلاطین دہلی یا مغل شہنشاہ کے عہد کی چند شہزادیوں اورامیر زادیوں کو چھوڑ کر عام طور پر عورتیں ظلم وستم کا شکار بنتی رہیں۔ عورت کا دھرم بیوی کی حیثیت سے شوہر کی خدمت گزاری اور وفاداری میں ہمہ تن تیار رہنا تھا'' (۱)

''گیندا'' افسانہ میں عصمت نے کم سنّی میں شادی اور پھر جلد ہی بیوہ ہو جانے کے بعد عورت کے نازک ترین احساسات کی ترجمانی کی ہے اس طرح یہ کہانی ہمارے ہندوستانی معاشرے کے ایک گھناؤ نے پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ ایک تیرہ چودہ سالہ معصوم بچی نوکرانی کا کام کرتی ہے۔ کم سنّی میں شادی کے کچھ ماہ بعد ہی وِدھوا ہو جاتی ہے۔ ہندو سماج کے رسم و رواج کے مطابق مانگ میں سیندور بھرنا، چوڑیاں پہننا، ماتھے پر بندیاں لگانا، بھڑکیلا لباس پہننا، آرائش و زیبائش کرنا سب ''گیندا'' کے لئے ممنوع ہیں۔ کیونکہ وہ بیوہ ہے۔ عصمت سے پہلے پریم چند نے اصلاحی دور میں ہندو عورت کی حالت کی بہتری کے لئے لکھا۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادی بیوہ کی دوسری شادی پر قلم اٹھایا تھا۔ عصمت نے ہندوستانی کھیل دلہن دلہن کا ذکر کیا ہے۔ اور کھیل کھیل میں کم سن بچی ''گیندا'' کا وِدھوا ہونا عورت کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ بتایا ہے۔ یہ کہانی عصمت کی پہلی کہانی تھی۔ مگر چھپی بعد میں تھی۔ عصمت شروع سے ہی عورتوں کی حمایتی ہیں۔ جو اس کہانی میں بھی نظر آتی ہیں۔ وہ نوکرانی کی مظلومیت کو برداشت نہیں کرسکتی۔ یہاں انہوں نے عورت کی برتری کی نشاندہی کی ہے مثلاً :

---

(۱) (ڈاکٹر شہزاد شمس-عورت اور سماج ص ۴۵ تخلیق کار پبلشرز دہلی سن اشاعت ۲۰۰۶ء)

''بہو جب گیندا کو مارتی میں ضرور کچھ نہ کچھ اس کا نقصان کردیتی۔ آج جیسے ہی اس کی آنکھ بچی میں مٹی بھر راکھ اس کے صاف ستھرے کلف میں جھونک دی'' (۱)

عصمت نے اس کہانی میں ہندوستانی شادی اور نئی دلہن کا ذکر یوں کیا ہے:

''پچھلے بیساکھ میں گیندا کا بیاہ ہوا، سرخ سرخ کپڑے پہنائے گئے۔ چمکتے ہوئے چاندی کے زیور بلا شرکت غیرے اس کی ملکیت ہو گئے اور وہ کئی دن تک چھم چھم کرتی اٹھلاتی پھری۔ میں بے چاری کسی شمار قطار ہی میں نہیں۔ ٹکرٹکر منہ دیکھنا اور حرصیائی بلی کی طرح اس کے پیچھے لگے رہنا۔ کبھی اس کی چوٹیاں گنتی۔ کبھی اس کے گھونگھرو سنبھالتی، کبھی اس کا جھوٹے گوٹے کا دو پٹہ زمین سے لگ جانے پر تڑپ کر اٹھا لیتی'' (۲)

اس کے بعد کھیل کھیل میں ''گیندا'' بالکل ہندوستانی عورت کی طرح ہی سہیلی سے گفتگو کرتی ہے:

''تم سنگھار نہیں کرتیں؟

''جب پتی ہی مرجائے تو پھر'' کس پر سنگھار کریں گیندا نے صوفیانہ لہجہ اختیار کرلیا۔ مانگ کا سیندور ہاتھ کی چوڑی پتی کے لئے ہی ہوتی نا؟ اس نے سنی سنائی بات کو یقین کا رنگ دینے کی کوشش کی۔ (۳)

عصمت نے کہانی میں ہندوستان کی دل سوز اور درد ناک حقیقت کو بیان کیا ہے. یہ بے بس عورتیں مردوں کی حاکمانہ بالا دستی اور جابرانہ اقتدار کے سائے میں رہ کر زندگی بسر کرتی ہیں۔ یہ وہ عہد تھا جہاں عورتوں کی لب کشائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عورتیں مردوں کے ناروا سلوک کو بھی دل پر پتھر رکھ کر

---

(۱) (عصمت چغتائی افسانہ ''گیندا'' ص-۶ عصمت کے افسانے جلداول، سن اشاعت ۲۰۰۶ء)
(۲) (عصمت چغتائی افسانہ ''گیندا'' ص-۳ عصمت کے افسانے جلداول، سن اشاعت ۲۰۰۶ء)
(۳) (ایضاً۔ " ص-۴)

سہہ رہی تھیں بقول نجمہ آوری :

''مردوں نے ہمیشہ عورتوں کو اپنے جابرانہ اقتدار میں رکھنا چاہا، انکے کان ناک چھیدے ، گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائیں۔ بعد میں خود عورتیں اس میں فخر محسوس کرنے لگیں'' (۱)

عصمت نے افسانوں میں عورتوں کے کردار کے پس منظر میں ایک ایسی عورت کو بھی دیکھا جو صرف گھر کی مشین میں محض ایک بے نام سا پرزہ بن کر نہیں رہ گئی بلکہ جس نے اپنے الگ وجود کا اعلان کرتے ہوئے سماج کے رواجوں کو منہدم نہیں کیا بلکہ اسے لرزہ دیا ہے۔ اس کی مثال ''بے کار'' افسانے میں میٹرک پاس ہاجرہ اپنے شوہر باقر میاں کی ملازمت ختم ہوجانے کے بعد اور ایک ایک کرکے سارے آبائی زیورات بک جانے کے بعد گھر کے افراد کو فاقے سے بچانے اور زندگی گزارنے کے لئے اسکول میں ملازمت کرتی ہے ہمارا معاشرہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہاں عصمت نے ہندوستان کے پچھڑے خیالات کا ذکر کیا ہے۔ پڑوس کی عورتیں اسے یوں دیکھتی ہیں۔ جیسے وہ کوئی بازاری عورت ہو، اسکول کے حکام اس کی معاشی مجبوری کا فائدہ اٹھاکر زیادہ کام لیتے ہیں اس کا شوہر شک کی بنیاد پر ہاتھ اٹھاتا ہے ہندوستان کی غریب بےبس لاچار عورت کی عکاسی عصمت نے بخوبی کی ہے۔ پھر بھی عصمت نے عورت کو گھر کی چہار دیواری سے نکلنے کی رغبت دلائی ہے۔ یہ عورت کے ارتقاء کی نشان دہی کرتی ہے۔ لیکن یہاں ہاجرہ ہندوستانی عورت ہے دھرم نبھاتی ہے کیونکہ بقول قرۃ العین حیدر.......

''ہندوستانی والدین اپنی لڑکی کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنے مجازی خدا

(۱) (محمد شہزاد شمس۔ عورت اور سماج، ص-۴۷۔ تخلیق کا پبلیشرز دہلی ۲۰۰۶ء)

(۲) (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ افسانہ ''بےکار'' عصمت چغتائی)

(شوہر) کے گھر میں پالکی میں بیٹھ کر جاؤ کہ وہاں سے صرف جنازہ ہی باہر آئے۔ یہ خوشحال معمر خاندان کے لئے بھی ایک غیر تحریری قانون بن گیا'' (۱)

عصمت کو عورتوں کی تعلیم اور آزادی سے گہری دلچسپی تھی وہ غلام ہندوستان میں آزاد عورت کا تصور کرتے ہوئے فرماتی ہیں :

''مجھے روتی بسورتی، حرام کے بچے جنتی، ماتم کرتی عورت پن سے نفرت ہے۔ بےکار کی شرم وحیا اور ساری خوبیاں جوعورت کا زیور سمجھی جاتی ہیں مجھے لعنت معلوم ہوتی ہیں۔ کوری جذباتیت سے مجھے کوفت ہوتی ہے۔'' (۲)

عصمت چغتائی کے افسانے متوسط طبقے اور نچلے طبقے کی حقیقت ہے عصمت نے سماج کی مکاری کو بے نقاب کیا ہے ایسی حقیقت دکھائی ہے جو ہماری گھریلو زندگی کی منہ بولتی تصویر ہے متوسط طبقے کی مسلم گھرانے کی چہار دیواری میں زندگی بسرکرنے والی عورتوں کے حالات ان کے سکھ اور دکھ کا احساس کرایا ہے۔

''چھوئی موئی'' افسانے میں ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جواولاد سے محروم ہے جس سے مستقبل بھی خوف زدہ دکھائی دیتا ہے۔ عورت کی زندگی میں اولاد کا ہونا بھی لازمی سمجھاجاتا ہے۔ غصمت ہندوستانی سماج و معاشرے کی جھلک دکھلاتے ہوئے عورت کی خانگی زندگی کی ویران تصویر بتائی ہے کہ :

اور وہاں خیر غائب تھی !

اور بھابی جان کے ہونق چہرے پر بھائی جان کی دوسری شادی کے تاشے باجے خزاں برسانے لگے۔ (۳)

اولاد کے لئے نذر و نیاز ماننا تعویذ اور امام ضامن باندھنا یہ ہندوستانی

---

(۱) قرۃالعین حیدر-ہندوستان کی مسلمان عورتیں۔ آج کل اردو ماہنامہ-ص ۴ بحوالہ عورت اور سماج۔ شہزادشمس

(۲) ڈاکٹرایم سلطانہ بخش۔ عصمت چغتائی شخصیت اورفن مقالہ نگار ندا فاضلی مقالہ عصمت آپا۔ ص-۷۷

(۳) عصمت چغتائی۔افسانہ ''چھوئی موئی''ص-۳۳۸ عصمت کے افسانے جلد دوم۔ کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء

توہم پرستی کی ایک مثال ہے۔ بے اولاد عورت کے اولاد حاصل کرنے کیلئے اس پر کیا کیا جاتا ہے اس کا نقشہ عصمت نے یوں کھینچا ہے :

''تعویذوں اور امام ضامنوں کا اشعار بنی بھابھی جان تنے ہوئے غبارے کی طرح ہانپتی سیٹ پر لڑھک بیٹھیں''

''مارے تعویذوں کے جسم پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہی، آئے دن کے ٹونے ٹوٹکے دم بولانے لگے۔ ویسے ہی بھابھی جان کے دشمن کا ہے کو چلنے پھرنے کے شوقین تھے اب تو بس کروٹ بھی لیں تو مغلانی بی بسم اللہ کے جے جے کاروں سے گھر سر پر اٹھالیتیں اور بس دن بھر وہ کچے گھڑے کی طرح سینت کر رکھی جاتیں۔ صبح شام پیر فقیر دمِ درود کرنے اور پھونکیں مارنے آتے'' (۱)

ہمارے معاشرے کے سماجی المیوں میں ایک اور الم ناک صورتِ حال یہ بھی ہے کہ لڑکیوں کی ولادت کو بوجھ اور منحوس سمجھا جاتا ہے آج بھی یہ تصور زندہ ہے قدیم زمانے میں سماج میں لڑکی کا جنم نہ صرف ایک جرم تھا بلکہ پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا تصور کیا جاتا تھا اور ان نومولود بچیوں کو جان سے ختم کر ڈالنا ہی سماج سے نجات پانے کا ایک واحد طریقہ تھا۔ کیونکہ ہندوستان کی قدیم تاریخ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کی سماجی حیثیت گری ہوئی تھیں عورت دھیرے دھیرے سماجی زندگی میں اپنا وقار کھو رہی تھی۔ ہندوستان کی قدیم تہذیب کے بارے میں ہمیں ویدوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں عورت کے درجات کے متعلق اختلافات رہے ہیں۔ ویدک عہد میں ہندآریائی تہذیب، رگ وید، اتھروید، رامائن، مہابھارت، شاشتر، منوسمرتی، کوٹلیہ چانکیہ وغیرہ غرض ہر عہد میں عورتوں کی حالات میں اتار چڑھاؤ یعنی پستی وبلندی نظر آتی ہے۔ چونکہ ویدک

(۱) عصمت چغتائی - افسانہ ''چھوئی موئی'' ص-۳۳۱،۳۳۲۔ عصمت کے افسانے جلد دوم۔ ۲۰۰۶ء

سماج کا ڈھانچہ پدرانہ تھا۔ اسلئے یہ لوگ بیٹوں کی خواہش شدت سے کرتے تھے، تاکہ وہ بڑے ہو کر دشمنوں اور حملہ آوروں سے جنگوں میں مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے بیٹی کی پیدائش کے لئے کوئی دعا نہیں کرتے۔ بقول رام شرن شرما :

''یہ سماج پدری تھا۔ اسلئے لوگوں کو تمنا ہوتی تھی کہ بہادر بیٹا ہی پیدا ہو، لوگ دیوتاؤں سے خاص طور پر التجا کرتے تھے کہ ایسے بہادر بیٹے پیدا ہوں جو جنگیں لڑسکیں۔ رگ وید میں اگرچہ بچوں اور مویشیوں کی افزائش کےلئے جگہ جگہ دعائیں ملتی ہیں، مگرکسی ایک جگہ بھی بیٹی کی پیدائش کےلئے دعانہیں ملتی''۔ (۱)

''اسلام کے آنے سے پہلے دنیا نے عورت کو ایک غیر مفید عنصر سمجھ کر میدان عمل سے ہٹا دیا تھا اور اسے پستی کے ایک ایسے غار میں پھینک دیا تھاکہ جس کے بعد اس کے ارتقاء کی کوئی توقع نہیں تھی۔ اسلام نے دنیا کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلندی کی اور بتایا کہ زندگی مرد اور عورت دونوں ہی کی محتاج ہے۔ عورت اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ اسے دھتکارا جائے اور شاہراہ حیات سے کانٹے کی طرح ہٹادی جائے کیونکہ جس طرح مرد اپنا مقصد وجود رکھتا ہےاسی طرح عورت کی تخلیق کی بھی ایک غایت ہے، اور قدرت ان دونوں اصناف کے ذریعہ مطلوبہ مقاصد کی تکمیل کرا رہی ہے'' (۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اناثاً
وَّیَهَبُ لِمَنْ یشاءُ الذُّکُوْر ہ اَوْ یُزَوِّ جُهُمْ ذُکْرَاناً وَّاِنَاثاً وَّ یَجْعلُ مَنْ یَشَاءُ
عَقِیْماً اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ہ (سورہ الشوریٰ۔ آیت نمبر۴۹، ۵۰، پارہ نمبر ۲۵)

---

(۱) رام شرن شرما۔ این سی ای آر ٹی۔ ص-۶۳۔ عورت اور سماج ص-۳۵ ڈاکٹر شہزاد شمس۔ ۲۰۰۶ء

(۲) سیدجلال الدین انصرعمری۔ عورت اسلامی معاشرہ میں۔ ص-۵۹،۶۰ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔ ۱۹۶۴ء

ترجمہ : اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکیاں اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا انہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہےاور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے بیشک وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔ (سورہ الشوریٰ۔ آیت نمبر۴۹، ۵۰، پارہ نمبر ۲۵)

قرآن پاک میں عورت اور مرد دونوں کو مساوی مقام عطا کیا گیا ہے لڑکی کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مسلمان گھرانوں میں بھی لڑکی کی پیدائش پر سوگ منایا جانے لگا لڑکی پیدا کرنے والی ماں کو برا بھلا کہا جانے لگا۔ یہ اسلئے کہ مسلمان بھی ہندوستانی تہذیب اور رسم و رواج سے رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگے کیونکہ :

''مسلمان فاتح حکمراں کے علاوہ مسلم عوام نے بھی مختلف ممالک سے آکر ہندوستان کی سرزمین میں بود و باس اختیار کرلی۔ چنانچہ وہ لوگ ہندوستانی تہذیب و معاشرت اور رسم و رواج سے رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگے اور جوں جوں تہذیبی اور ثقافتی لین دین کا آغاز ہوا، دونوں نے ایک دوسرے کی تہذیب سے اقتدار و افکار مستعار لئے۔ ہندوستانی سماج نے عام عورتوں سے جو جابرانہ رویہ اپنایا تھا۔ وہی رویہ مسلم عورتوں کے ساتھ اپنایا جانا ایک فطری عمل بن گیا۔ اس اعتبار سے مسلم خواتین کا سماجی رتبہ اور اس کے حقوق میں بتدریج کمی واقع ہوتی چلی گئی۔ ہندو عورتوں کی طرح بہت سی پابندیاں اور بندشیں مسلمان عورتوں میں بھی راہ پانے لگیں۔ (۱)

---

(۱) (ڈاکٹر محمد شہزاد شمس۔ عورت اور سماج ص-۴۹۔ تخلیق کار پبلیشرز دہلی ۲۰۰۶ء)

ہمارے سماج میں عام طور پر لڑکوں کی پیدائش کو لڑکوں کی ولادت پر ترجیح دی جاتی ہے آج بھی ہندوستان میں کئی علاقے ایسے موجود ہیں جہاں لڑکی کی پیدائش پر صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اورلڑکے کی ولادت پر شادی کا سا سماں ہوتا ہے۔ اسی موضوع پر عصمت نے ''سونے کا انڈا'' افسانہ تحریر کیا ہے اس میں بندومیاں کے گھر تیسری لڑکی کی پیدائش پر انکی ماں، پڑوسنوں اور خود بیوی کے تاثرات و احساسات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے :

''لڑکی ہوئی تو ''ہواں ہواں'' اور لڑکا ہوتا تو ''ہیاں ہیاں'' مطلب یہ کہ لڑکی پیدا ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ گھر کی دولت ہواں (وہاں) چلی یعنی پرائے گھر..... اورجو لڑکا آتا ہے تواطمینان لاتا ہے کہ دولت ہیاں (یہاں) لاؤں گا اور یہ سب دولت ہی کی تو دھوم دھام ہے'' (۱)

یہ تصور بہت قدیم ہے آج بھی ہمارے معاشرے میں پایاجاتا ہے۔ اس کہانی میںعصمت نے خودماں کے جذبات جو تیسری لڑکی کی پیدائش پر ہو سکتے ہیں اُسے کاٹ دار لہجے میں بیان کرتے ہوئے ہندوستانی سماج میں عورت اور اس کے ارتقائی سفر کی سیر کرائی ہے۔ مثلاً :

''پھر نہ جانے ایک دم سے اس کے جی میں نہ جانے کیوں ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا گھبیلن کا درد و غم و غصہ کے بہاؤ میں بہہ گیا غرور سے اس نے تکئے پر سرک کر سر اونچا کر لیا۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ وہ بانجھ نہیں بنجر نہیں۔ پھر یہ اُداسی کیوں۔ اس نے کس کی جاگیر چھین لی کس کی دولت چھین لی۔ جس کا اسے یہ خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے گائے بیاتی ہے تو کوئی نہیں پوچھتا، بیٹی ہے کہ بیٹا، سب دودھ دوہنے لگتے ہیں۔ مرغی انڈا دیتی ہے تو اسے سونے کا انڈا

(۱) عصمت چغتائی ''سونے کا انڈا'' (افسانہ) ص-۱۲۸۔ عصمت کے افسانے جلد سوئم۔ کتابی دنیا دھلی ۲۰۰۶ء

دینے کی کیوں فرمائش کرتے ہیں؟ اور اگر وہ سونے کا انڈا نہ دے سکے تو تو گھر میں موت ہو جاتی ہے امیدوں، آرزؤں کے جنازے اٹھنے لگتے ہیں اور دنیا غریب ہو جاتی ہے" (۱)

عصمت نے یہاں لڑکی کی ماں کے جذبات اور گندی دنیا و معاشرے سے کہیں دور جانے کا آزادانہ خیال پیش کیا ہے جو لڑکیوں کے تئیں مخلصانہ سلوک کا عمدہ نمونہ ہے۔ جو ہماری تہذیب و تمدن کا ارتقائی جذبہ و رویۂ پیش کرتا ہے جو عورت کی کامیابی کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایک ماں کی ممتا کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جس کا کامیاب اقتباس یہ ہے ایک ماں کی زبانی :

"جی چاہا کہ اپنے تینوں کلیجے کے ٹکڑوں کو اٹھا کر اس گھر سے اس گلی سے..... اس شہر سے بلکہ اس دنیا سے بھاگ جائے۔ وہاں، جہاں اس کے جگر گوشے دولت کی ترازوں میں نہ تولے جائیں جہاں سب سونے کے انڈا ہوں۔ کوئی گندے انڈے کی خندق میں نہ ڈالا جائے۔ جہاں اس کی ننھی کڑیاں جائز داشتاؤں کی خدمت انجام دینے کے بارے میں عورت ، ماں، بیٹی اور بیوی کا رتبہ حاصل کرسکیں۔ جہاں عورت کی تخلیق عذاب جان نہ ہو۔ جہاں لڑکیوں کی براتیں بھوت بن کر ماں باپ کے سینوں پر نہ چڑھتی ہوں، جہاں بیٹیوں کا جہیز ماں باپ کی کھال نہ اتارلے۔ جہاں اولاد سے والدین محبت کریں۔ اولاد سمجھ کر زرجاگیر سمجھ کر نہیں" (۲)

عصمت کی کہانیوں کے گھریلو واقعات ہندوستانی ہیں۔ اس کی پیش کش مقامی ہے گویا عصمت کے افسانوں میں گھروں کی ایسی دنیا آباد ہے جہاں کسی نامحرم کا گزر ممکن نہیں۔خالص ہندوستانی زبان و تہذیب کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہے۔

---

(۱) عصمت چغتائی "سونے کا انڈا" (افسانہ) ص-۱۳۲۔ عصمت چغتائی کے افسانے جلدسوئم۔ کتابی دنیا دھلی ۲۰۰۶ء

(۲) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے : افسانہ "سونے کا انڈا" ص- ۱۳۲ عصمت چغتائی کے افسانے جلدسوئم۔ کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء

ان کے افسانوں کے جملوں کا انداز بیان دوسری زبانوں میں منتقل کرنا ناممکن ہے عورتوں کی زبانی خالص ہندوستانی ہے جو ہندوستانی سماج کی عکاسی کرتی ہے افسانوں کے جملے ان کے یہاں موجود ہے اس کی مثالیں :

''چھوٹے کپڑوں کی گوٹ تو نکل آئے گی، پر بچّیوں کا کپڑا نہ نکلے گا''

لو بوا سنو!

تو کیا نگوڑی ماری تول کی بچیّاں پڑیں گی''

کہتے ہیں جو اگر شادی بیاہ کی باتیں لڑکیاں کرتی ہیں تو منہ پکا پکا ہو جاتا ہے۔

میں دوڑی ہوئی آئینے کے سامنے گئی۔ واقعی منہ پر ٹھیکرے ٹوٹ رہے تھے۔''

(ڈھیٹ)

''عطن، صفیہ۔ اے کہاں مرگئیں؟ ''ای. ای. ای ''عطن کی جی سنائی دی''

(جال)

''اے تجھے ڈھائی گھڑی کی آئے۔ باوا کو کھا گیا۔ اب جنم جلی کو سر چھپانے کی جگہ تھی سوبھی ملیامیٹ کر کے دم لے گا۔ خدائی خوار، نامراد''

(کلو کی ماں)

''چلو دور ہو یہاں سے'' پھر خالہ بی سے ''اے ہاں تو مجھے کیا معلوم۔

ذرا ذراسی بچیاں نگوڑی'' (جال)

عصمت نے عورت کے حقیقت کی بولتی تصاویر پیش کی ہیں۔ ہندوستانی سماج کی مجبور و بےبس عورت کا ذکر کیا ہے۔ بیوہ ہونے پر عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے ویسا سلوک مردوں کے ساتھ کیوں نہیں کیا جاتا؟ ''آدھی عورت آدھا خواب'' افسانے کے مندرجہ ذیل اقتباس میں ہندوستانی سماج کی تہذیب و تمدن

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی کے افسانے۔ جلد اوّل، دوم، سوئم، چہارم، کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء

کی جھلکیاں پیش کرتے ہوئے بیوی کے مرنے کے بعد مردوں میں بھی تبدیلی لانی چاہئے۔ عصمت نے ان کے رہن سہن پر سوال اٹھایا ہے :

''عورت بیوہ ہوجاتی ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دیتے ہیں۔ مرد کی گھڑی یا عینک یا حقہ توڑنے کا کسی کو خیال نہ آیا۔ بیوہ لباس میں بھی تبدیلی کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ رنگا دوپٹہ پہنے یا ہاتھوں میں چوڑیاں ڈال لے تو لوگوں کے کلیجے پھٹ جائیں، مرد وہی سوٹ بوٹ، اچکن انگرکھا ڈالے پھرتا ہے کیسی بے رحمی ہے کہ دکھاوے کے لئے بھی سوگ نہیں مناتا۔ حالانکہ عورتوں کو شوہر کا غم ہوتا ہے۔ بہت سی عورتوں اور مردوں کو نہیں ہوتا۔ مگر عورتوں کو ڈھونگ رچانا پڑتا ہے''۔ (۱)

عصمت نے ہندوستان میں منائے جانے والے تہواروں کا ذکر بھی کیا ہے۔

''ہولی'' کا تہوار ہندوستان میں منایا جانے والا تہوار ہے۔ یہ ہندوؤں کا خاص تہوار ہے۔ ''اپنا خون'' کہانی میں نواب صاحب جو ہند و مسلم میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ ان کی ریاست میں ہر فرقہ اطمینان سے اپنا دھرم کا پالن کرسکتا تھا۔ عورتیں بھی آزادی سے ہولی کھیل سکتی تھیں۔ نواب صاحبؒ کی ریاست میں ''ہولی'' کا تہوار کی جھلکی عصمت نے کچھ اس طرح بیان کی ہے :

''کچھ پروپیگنڈے کی کاٹ منظورتھی، کچھ پرانا دستور تھا، ٹیسو کے پھول دیگوں میں ابال کر رنگ تیار ہوا۔ ابرق ملا، عبیر اور گلال بڑے بڑے پیتل کے تھالوں میں بھر کر چبوتروں پر سجا دیا گیا تھا۔ رنگوں کی بھری ناندیں اور پچکاریاں افراط سے موجود تھیں۔ کڑھاؤ چڑھے ہوئے تھے۔ حلوائی پکوان تل رہے تھےاور کہار ڈولیوں میں رکھ رکھ کر محل سرا میں پہنچارہے تھے۔ ساری خلقت رنگ کھیلنے

(۱) عصمت چغتائی۔ افسانہ۔ آدھی عورت آدھا خواب۔ ص-۱۶،۱۷، عصمت چغتائی کے افسانے جلداول ۲۰۰۶ء

اور انعام لینے کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی۔ کمینوں کی ٹولیاں سوانگ بھرے ناچتی گاتی چلی آرہی تھی۔ محل سرا کے لق دق صحن میں ریاست کے اعلیٰ افسروں کی عورتیں، شاہی خاندان کی بہوبیٹیاں ہولی کھیلنے اور ترمال اڑانے میں مشغول تھیں۔ نواب بہادر بھی محفل کی رونق بڑھانے کی خاطر تھوڑی دیر کو جلوہ افروز ہوجاتے۔ رعیت کے مائی باپ تھے، ان سے کوئی پردہ نہیں کرتا تھا، سب کو ہاتھ جوڑ جوڑ کر نمسکار کرتے، رنگ ڈلواتے اور آنکھیں بھی سینکنے سے باز نہ آتے"۔ (۱)

ہندوستانی تاریخ میں طوائف کا رگ وید کے عہد سے ہی وجود ہوچکا تھا۔ اس کا اثر مغلوں اور انگریزوں کے عہد میں بھی نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہر عہد کے ادیبوں فن کاروں نے طوائف کو موضوع بنایا ہے۔ طوائف جسے سماج میں سوسائٹی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی طوائف کا کوٹھا اس معاشرے میں عیش و نشاط کا مرکز بن گیا تھا۔ کوٹھے پر جانا نوابوں کی شان سمجھا جاتا تھا۔ نواب اور رئیس اپنی شان کو دوبالا کرنے کے لئے بچّوں کو بھی کوٹھوں پر بھیجتے تھے۔ دولت کی فراوانی اور رنگین مزاجی کے سبب مردوں کا زیادہ وقت کوٹھوں پر گزرتا تھا۔ عصمت نے "نیرا" کہانی میں "نیرا" نامی طوائف کی زندگی گزارنے والی لڑکی سے واقف کروایاہے۔ جو جاگیردارانہ ماحول کی غلامی میں جکڑے ہوئے کردار کی کہانی ہے۔ "نیرا" جو سندرنامی اعلیٰ طبقے کے نوجوان سے عشق کرتی ہے۔ اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دیتی ہے۔ نیرا ایک غریب اور نچلے طبقے کی لڑکی ہے سماج اسے بیوی بنانے کے لئے ہرگز تیار نہیں لڑکے کو لے کر عشق میں ناکام ہونے کے باعث وہ جو پیشہ اختیار کرتی ہے وہ ہندوستانی سماج کی عورت کے ایک پہلو کو اجاگر کرتاہے جس کا ذکرعصمت نے نیرا کہانی میں کیا ہے :

---

(۱) عصمت چغتائی۔ افسانہ۔ "اپنا خون" ص-۳۵، عصمت چغتائی کے افسانے جلداوّل۔ کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء

''نیرا'' کو یقین بھی نہ تھا کہ سوائے گوبر تھاپنے اور گھاس چھیلنے کے کسی اور مصرف کی بھی ہو سکتی ہے۔ اب یہاں تو اس کی یہ حالت تھی کہ کیا امیر اور کیا غریب ہر ایک کے لئے اس کے آشرم کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ایک چھوڑ دس ''سندر'' اور ان گنتی سیٹھ موجود تھے'' (۱)

عورت کے سماجی زوال کی داستان جاگیری تمدن کے عروج ہی کےساتھ وابستہ ہے یعنی عورت کی مالکانہ حیثیت ختم ہوگئی۔ عورت خادمہ طوائف اور کنیز کے روپ میں نظر آنے لگی مسلم معاشرہ بھی اس سے متاثرہوا فہمیدہ کبیر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتی ہیں :

''ابتدائی عہد میں مسلمان عورت کی حالت ہندو عورت کی بہ نسبت اس لئے بہتر تھی کہ اس کا تعلق فاتح اور حکمران قوم سے تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ مسلمان بھی ہندو معاشرے سے متاثر ہونے لگے اور عورتوں کے ساتھ ان کا رویہ بھی اس سے مختلف نہ رہا۔ جو ہندوسماج میں روا سمجھا جاتا تھا چنانچہ مسلمان عورت کا سماجی رتبہ بھی بتدریج پست ہوتا گیا۔ مسلم اقتدار کے آخری دور میں اس کی حالت بھی اپنی ہندو بہنوں سے مختلف نہ تھی۔ پایۂ تخت دہلی کا سیاسی زوال مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا باعث بنا اس عہد میں عیاشی کا رجحان بڑھا جس کی وجہ سے مسلم معاشرے میں طوائف کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا، لیکن یہ رجحان طبقۂ اعلیٰ ہی تک محدود رہا کیوں کہ عوام عام طورسے مفلسی کا شکار تھے۔ اس عہد کی اخلاقی پستی ہی کی بدولت عورت کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم کردیا گیا۔ اس طرح اس کی حیثیت میں اور بھی کمی آگئی''۔ (۲)

---

(۱) عصمت چغتائی افسانہ ''نیرا'' ص-۲۲۴۔ عصمت کے افسانے۔ جلد چہارم، کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۶ء

(۲) (فہمیدہ کبیر اردوناول میں عورت کاتصور۔ ص-۹)

''پیشہ'' افسانے میں عصمت نے طوائف کا ذکر یوں کیا ہے :

''ویسے عورت دوسری عورت سے وقت بے وقت جل سی جاتی ہے۔ مگر طوائف سے تو خدا کی پناہ عورت تو اپنا حصہ یعنی ایک مرد لے کر بازار سے ہٹ جاتی ہے مگر طوائف سے چھٹکارا نہیں'' (۱)

طوائف عورت کا وہ روپ ہے جس پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ ''امراؤ جانِ ادا'' اس کی بہترین مثال ہے۔ طوائف سے رقابت عام عورت کا مقدر رہا۔ وہ اس سے جلتی رہی اسے گالیاں دیتی رہی اور اپنے آپ کو دلاسے دیتی رہی۔ عصمت ''پیشہ'' کہانی میں اس کا ذکر کرتی ہیں :

''ہم عورتیں بڑے سے بڑے پہلوانوں کو چت کر سکتی ہیں پر جب طوائف سے ٹکر ہوتی ہے تو ساری نسوانیت اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں لوری کے ساتھ ساتھ بچے کے دل میں یہ بات چپکا دیتی ہیں کہ طوائف اژدہا ہے، سانپ ہے، کیا کچھ ہے'' (۲)

عصمت نے حقوق نسواں کے متعلق ہندوستانی سماج اور عورت کے ارتقاء کے لئے عورتوں کے دو بنیادی اسباب بتائے ہیں :

''اوّل یہ کہ اسے نہ تو اپنے حقوق کی آگہی ہے اور نہ اس کے تحفظ کا احساس۔ دوسرا وہ مرد کی غلام ہے عصمت کی نظر میں جب تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت حاصل نہیں کرپاتی وہ موجودہ حالت سے کبھی اُبھر نہیں سکتی۔ عصمت کے نزدیک ایک عورت جو اپنے خاوند سے محض روٹی کپڑے کی خاطر، یا یوں کہئے کہ جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے چمٹی رہتی ہے اس سے ایک طوائف کہیں بہتر ہے جو اپنا جسم بیچ کر روٹی کھاتی ہے اور آزادانہ طور

---

(۱) (عصمت چغتائی۔ افسانہ ''پیشہ'' ص-۶۔ عصمت کے افسانے جلد دوم۔ ۲۰۰۶ء)

(۲) (عصمت چغتائی۔ افسانہ ''پیشہ'' ص-۱۔ عصمت کے افسانے جلد دوم۔ ۲۰۰۶ء)

پر زندگی بسر کرتی ہے۔ عصمت نے اپنے نظریے کا کھلے عام اظہار کیا۔ اس بارے میں سلمٰی صدیقی جو عصمت کی گہری دوست اور راز دان تھیں۔ لکھتی ہیں کہ ایک دفعہ شامت اعمال سے ایک طوائف کہیں عصمت سے اپنا دکھڑا رونے بیٹھ گئی۔ سب کچھ کہہ چکی تو اس نے اس نیک ارادے سے عصمت کو مطلع کیا کہ وہ اپنی گناہ کی زندگی سے عاجز آگئی ہے اور باقی ماندہ زندگی شریفانہ طور پر گزارنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ عصمت یہ سن کر آپے سے باہر ہوگئیں“۔

”ہے ہے کمبخت کیا بھوکوں مرنے کا ارادہ ہے....؟

کتنے عیش کر رہی ہو۔ شریفوں کے کیا سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں، جو شریف بننے کے لئے مری جا رہی ہو، کبھی پیشہ ترک کرنے کی غلطی بھی مت کرنا۔ اور چھوڑ دو تو میرے پاس مت آنا روتی بلکتی۔ شریف بیویوں کی طرح شریف مردوں کے جوتے ڈنڈے سہتی ہوئی“

عصمت نے طوائف ہونے کے فائدے ایسے بتائے کہ وہ لالہ رخ اپنے کاشانے میں واپس چلی گئی“ (۱)

عصمت نے نچلے طبقے سے متعلق ”دوہاتھ“ ”تل“ وغیرہ کہانیوں میں ہندوستانی سماج کی عکاسی کی ہے۔ دوہاتھ کی گوری اور بوڑھی مہترانی کے کردار کے ذریعے انسانی زندگی کی بنیادی حاجات اور ضروریات سے متنبہ کیا ہے۔ ہندوستانی سماج میں ایسے لاکھوں کڑوروں لوگ ہونگے جو ”دوہاتھ“ کی کمائی کھاتے ہیں۔ جب تک ان کے ہاتھ چلتے ہیں انہیں دو وقت کی روکھی سوکھی نصیب ہوتی ہے۔

---

(۱) (جگدیش چندرودھاون۔ عصمت چغتائی شخصیت اورفن۔ص-۱۹۰، ۱۹۱۔ سن اشاعت ۲۰۰۶ء)
بحوالہ قرۃ العین حیدر۔ لیڈی چنگیز خان (مضمون) ماہنامہ آجکل نئی دہلی جنوری ۱۹۹۲ء ص-۴، ۵

ہندوستانی تہوار کے علاوہ میلے، مزار، عرس وغیرہ پر بھی طوائفوں کے ناز و انداز کو ''جہاں اور بھی ہیں'' کہانی میں عصمت نے پیش کیا ہے :

''غازی میاں کے مزار پر ہر سال عرس ہوتا۔ دور دور سے قوّال گویّے آتے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگ، بوڑھے، جوان، بچے عورت۔ مرد زیارت کے لئے حاضر ہوتے منتیں مانی جاتیں مرادیں پوری ہوتیں۔ ہر جمعرات کو شہر کی اور آس پاس کے قصبوں کی طوائفیں نذرانہ لے کر آتیں، میاں کی شان میں غزلیں، ٹھمریاں، دادرے گاتیں، جب کسی نوچی کی نتھنی اتاری جاتی تو پہلے وہ میاں کے مزار پر حاضر ہوکر مجرا گزارتی مئی جون کی شعلہ بار گرمیوں میں میلہ لگتا۔ عقیدت مند مہینوں پہلے آکر پڑاؤ ڈال دیتے ''۔ (۱)

ہندوستان کے علاوہ عصمت سیر و سیاحت کے لئے روس، جرمنی، چین، انگلینڈ وغیرہ بھی گئیں۔ سیر و سیاحت کرنا ان کا شوق تھا۔ عصمت نے بچپن سے ہی گھر پر اسلام کی عظمت اور دوسرے مذاہب کی بھی عقیدت مندی دیکھی تھی۔ انہوں نے پنڈت سے ہندومائیتھولوجی اور ہندو دھرم کا گیان حاصل کیا عیسائی مذہب سے بھی واقف تھیں۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ مشری اسکول میں داخلہ بھی لیا تھا۔ جہاں سے انھوں نے بی.اے کیا۔ عصمت ہندوستان میں منائے جانے والے مذاہب کے مذہبی عقائد سے جڑی ہوئی تھیں۔

عصمت ایک ہندوستانی ہیں اور انھوں نے ہندوستانی سماج کا گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے عصمت کے بچپن کی سہیلی سوشی کے یہاں جنم اشٹمی کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا گھنٹیاں بجتی عصمت کا دل للچاتا۔ سوشی نے بھگوان کرشن کا مجسمہ عصمت کو برائے تحفۃً دیا۔ عصمت اس تبرک کو پاکر اپنے جذبات کا

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : عصمت چغتائی افسانہ ''جہاں اور بھی ہیں'' ص-۱۲۸۔ عصمت کے افسانے جلد دوم

اظہار یوں کرتی ہیں :

''میں مسلمان ہوں ۔ بت پرستی شرک ہے! مگر دیو مالا میرے وطن کا ورثہ ہے۔ اس میں صدیوں کا کلچر اور فلسفہ سمویا ہوا ہے۔ ایمان علیحدہ ہے۔ وطن کی تہذیب علیحدہ ہے۔ اس میں میرا برابر کا حصہ ہے جیسے اس کی مٹی، دھوپ، اور پانی میں میرا حصہ ہے۔ میں ہولی پر رنگ کھیلوں، دیوالی پر دیئے جلاؤں تو کیا میرا ایمان متزلزل ہوجائے گا۔ میرا یقین اورشعور کیا اتنا بودا ہے، اتنا ادھورا ہے کہ ریزہ ریزہ ہوجائے گا۔ اور میں نے تو پرستش کی حدیں پار کرلی ہیں '' (۱)

عصمت خود ہماری مخلوط تہذیب کی ایک مثال ہیں۔ جنہوں نے اردو ادب میں ہندوستانی سماج کی عورتوں کی خستہ حالی۔ جذبات و احساسات کا باریکی سے مشاہدہ کیا اور افسانوی ادب کو ایک نئی جہت عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ عصمت کے علاوہ اردو افسانوی ادب کی مایہ ناز خواتین میں حجاب امتیازعلی، نذرسجاد حیدری، رضیہ سجاد، جیلانی بانو، صالحہ عابد حسین، قرۃالعین حیدر وغیرہ خواتین نے اپنے اپنے طور پر اپنی تخلیقی قوتوں کے جادو سے ایک عہد کو مسحورکیا۔ جس سے متاثر ہوکر ہندوستانی خواتین نے علم و ادب سیاست صحافت کھیل کود میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زندگی کے ہر شعبوں میں داخل ہوکر بہتر کارکردگی سے کام انجام دیا۔ عورت نے جنسی تفریق کو مٹاکر یہ بھی ثابت کردیا کہ وہ صرف گھر کی بہتر منتظمہ ہی نہیں، بلکہ دفتروں، فیکٹریوں اور کمپنیوں کے کاموں میں بھی اپنی لگن اور سوجھ بوجھ سے اعلیٰ عہدوں کی بھی حقدار ہیں۔

عصمت چغتائی ہندوستان کی عورتوں کو جو مقام پر دیکھنا چاہتی تھیں جس کی خواہش وہ کرتی تھیں وہ بیداری ہمارے سماج کی عورتوں میں حتی الامکان پائی

---

(۱) عصمت چغتائی مضمون ''غبارکارواں'' ماہنامہ آجکل، نئی دہلی۔نومبر ۱۹۷۰ء ص-۱۴
جگدیش چندر چغتائی شخصیت اورفن ص-۱۴۷۔ ۲۰۰۶ء

جاتی ہیں۔ ڈاکٹر شہزاد شمس عورت اور سماج کتاب میں موجودہ دور کی عورتوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں :

''عورتیں موجودہ دور میں وہ مقام حاصل کر چکی ہیں۔ جس کا صدیوں پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ عورتیں صدیوں کی بےبسی اور لاچاری کے غار سے اٹھ کر سماج کے بیشمار مسائل سے نبرد آزما تو ہیں، مگر ان کی جد و جہد کی راہیں اب بھی کافی پر خار ہیں۔ جس پر انہیں مزاحمت، ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ چل کر حقوق نسواں، آزادیٔ رائے اور مکمل سماجی مساوات کا درجہ حاصل کرنا ہے''۔ (۱)

☆☆☆

(۱) ڈاکٹر شہزاد شمس۔ عورت اور سماج ص-۶۹، ۷۰